شاہ ولی اللہ اور علوم نقلیہ[1]

مولانا محمد عبداللہ عمر پوری

علوم نقلیہ میں حضرت شاہ صاحب کی وسعت نظر، اصابت فکر اور جامعیت کا شاید ہی کوئی ہو جو انکار کر سکے۔ وہ جس مسئلے پر بحث کرتے ہیں، اس کے تمام پہلوؤں کا پورا احاطہ فرماتے ہیں۔ ان میں الجھے ہوئے مطالب کی اس طرح وضاحت ہوتی ہے اور اختلافات میں یوں تطبیق دی جاتی ہے کہ قاری کو پورا اطمینان ہو جاتا ہے۔

علوم نقلیہ کے اہم شعبوں میں شاہ صاحب کی جو شاندار خدمات ہیں، اب میں مختصراً اُن کو بیان کروں گا۔

علوم القرآن

سرزمین پاک و ہند میں شاہ صاحب پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ فارسی میں ہے اور اس پر مختصر فوائد بھی ہیں۔ آپ نے اپنے مجوزہ نصاب تعلیم میں قرآن مجید کا ترجمہ لازمی قرار دیا اور اس کی تشریح کے لئے قرآن کی مختصر ترین تفسیر جلالین کا اضافہ کیا۔ (ملاحظہ ہو رسالہ دانش مندی و رسالہ وصیت) قرآن مجید کے جملہ مطالب کا اجمالی تعارف کرانے کے لئے شاہ صاحب نے الفوز الکبیر لکھی۔ اور

---

[1] اس سلسلے کے دو مضمون جولائی اور اگست کے شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔

فتح الخبیر تصنیف فرما کر تفسیر بالرائے کے بجائے تفسیر بالروایت کی طرف متوجہ کیا۔

دراصل شاہ صاحب کے پیش نظر یہ تھا کہ تعلیم کے ابتدائی مرحلے ہی میں طالب علم کا قرآن کریم سے براہ راست تعلق ہو جائے۔ اور وہ ہر شعبہ علم میں، روایت میں بھی اور درایت میں بھی، قرآن ہی کو اپنی بنیاد بنائے اور ہر مسئلے میں سب سے پہلے اس کی توجہ قرآن کی طرف مبذول ہو، اور اس سے حل ڈھونڈے۔

قرآن مجید کے غامض اور مشکل مباحث کی تشریح شاہ صاحب نے اپنی مختلف کتابوں میں بڑی وضاحت سے کی ہے۔ قرآن کریم کا اکثر حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے قصص و واقعات پر مشتمل ہے شاہ صاحب نے تاویل الاحادیث میں ان کی حکمت بیان کی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلۂ نبوت کے ارتقاء میں جو تدبیر ملحوظ تھی، اسے بیان کیا ہے۔

علوم الحدیث

علوم دینیہ میں علم حدیث کا درجہ بڑا بلند ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح اس کے بغیر غیر معتبر ہے۔ علم فقہ کی بنیاد اسی پر ہے۔ علم اصول دین و معتقدات اسی کا محتاج ہے اور تاریخ اسلام اس کے بغیر ناتمام رہتی ہے۔ برصغیر میں عمومی فتوحات اسلامیہ غزنوی سلاطین سے شروع ہوئیں اور ان کے مراکز لاہور اور ملتان میں۔ زیادہ تر علماء کا وہ گروہ وارد ہوا۔ جس پر عقلیت اور اس کے بعد فقہ حنفی غالب تھی ان کے شاگردوں میں سے مولوی عبداللہ اور مولوی عزیز اللہ برادران تلمبہ نواح ملتان سے دہلی پہنچے۔ اور اپنے استادوں کے طرز پر وہاں مسند درس و تدریس بچھائی، ان کے حلقہ درس میں ہندوستان کی ہر طرف سے طالب علم شریک ہونے لگے۔ اور اس طرح یہ سلسلہ برصغیر میں رواج پاگیا۔ یہ ان دیار کی خوش قسمتی تھی کہ ۹۵۸ھ میں شیر شاہ سوری کے عہد میں شیخ سیف الدین ترک کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، جو بعد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نام نامی سے مشہور ہوا۔ آپ اڑتیس سال کی عمر میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اور حجاز میں کئی سال رہے۔ اور وہاں علم حدیث کی تحصیل کی۔ شیخ عبدالحق حضرت شیخ علی متقی مکی مشہور محدث کے شاگرد رشید اور ملک العلماء حضرت ملا علی قاری کے ہم درس تھے۔ حجاز سے واپسی

پر دہلی میں آپ نے حدیث کا درس شروع کیا۔ اور اس طرح ان دیار میں تدریس حدیث کی طرح پڑی۔

اگرچہ اس عہد میں حاجی محمد افضل سیالکوٹی کا بھی علم حدیث کا اپنا سلسلۂ تدریس تھا، لیکن زیادہ شہرت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہی کی ہوئی۔ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کی دو شرحیں ایک فارسی اور ایک عربی میں لکھی۔ آپ کو فقہ حنفی میں بڑا غلو تھا۔ یہاں تک کہ ان ضعیف حدیثوں کو جو فقہ حنفی کے مطابق ہوتیں، احادیث صحیحہ پر ترجیح دیا کرتے۔ ان کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی کا یہ مقولہ مشہور ہے "سنی سنت۔ حنفی حجت"۔

شاہ ولی اللہ نے علم حدیث اپنے والد سے پڑھا، جن کا سلسلۂ تلمذ حاجی محمد افضل سے ملتا ہے۔ بعد میں آپ حجاز تشریف لے گئے، اور وہاں کے اساتذۂ کاملین سے نئے سرے سے اسی علم کو حاصل کیا وطن واپس آکر آپ نے تعلیم حدیث کا طرز بدل دیا۔ اور بجائے مشکوٰۃ کے موطاء امام مالک کی تدریس پر زور دینے لگے۔ المسوّی اور المصفّیٰ اسی کی عربی اور فارسی میں شرحیں ہیں۔ جس طرح آپ نے قرآن کریم کی تعلیم اپنے فارسی ترجمے فتح الرحمٰن سے شروع کرنے کی تلقین کی، اس طرح علم حدیث کے درس میں المسوّی اور المصفّیٰ کو ابتدائی اور حجۃ اللہ البالغہ کو تکمیلی کتاب قرار دیا۔

موطا امام مالک کے بعد صحت روایتِ حدیث اور استنباطِ مسائل میں صحیح بخاری کا مرتبہ ہے اس کے ابواب کے متعلق مشہور ہے کہ بڑے دقیق اور مشکل ہیں شاہ صاحب نے اس سلسلے میں تراجم الابواب البخاری تالیف فرمائی۔ عوام کے لئے چہل حدیث نام سے ایسی چالیس حدیثیں جمع کیں جو بہت مختصر سہل اور پر معنی ہیں آپ کے فرزند اکبر کے نواسے شاہ محمد اسحاق نے مشکوٰۃ کی اردو میں چار ضخیم جلدوں میں مظاہر الحق کے نام سے شرح لکھی۔

اصول حدیث

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علم حدیث کی تدریس کے سلسلے میں علم اصول حدیث پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ جو کہ مقدمہ شیخ عبدالحقؒ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں موصوف نے حدیث کے متون کو معین

کرنے کا طریقہ بتایا ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس میں اصلاح کی اور متونِ حدیث کے انتقاد کا محققانہ طریقہ وضع کیا اس سلسلے میں ایک انتباہ ملحوظ رہے اور وہ یہ کہ محدثین کرام کی ایک جماعت کی یہ رائے رہی ہے کہ جتنی بھی زیادہ سے زیادہ حدیثیں جمع ہو سکیں، جمع کی جائیں تاکہ ان سے زیادہ سے زیادہ شرعی مسائل اخذ کئے جائیں۔ یہ جماعت نیک نیتی سے یہ رائے رکھتی ہے کہ احادیث ضعیفہ بھی قابل عمل ہیں، اس لئے کہ ممکن ہے پہلے زمانے میں (صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانے میں) یہ حدیثیں مشہور اور صحیح ہوں بعد میں ان کے سلسلۂ اسناد میں ضعیف و غیر معتبر راویوں کے آنے سے زمانہ تدوین حدیث میں انہیں ضعیف قرار دیا گیا ہو۔ یہ طریقہ شیخ عبدالرحمٰن سیوطی مصری کا ہے۔ شیخ علی متقی مکی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی یہی رائے رکھتے تھے۔

محدثین کرام کی دوسری جماعت وہ ہے جو احادیث صحیحہ کا ذخیرہ بہت کم تسلیم کرتی ہے لیکن اس کے نزدیک وہ دین کے استنباط کے لئے کافی ہے۔ یہ رائے امام محی الدین نووی مصری، حافظ زین الدین عبدالرحیم عراقی (استاد حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری) شیخ عبدالرحمٰن سخاوی مصری اور دیگر محدثین محققین کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ اسی دوسری جماعت کے ہم خیال ہیں۔ آپ نے اپنے اس نقطہ نظر کی اشاعت کے لئے مستقل تصنیفات کیں المصفٰی کا مقدمہ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کا حصہ حدیث و فقہ اور حجۃ اللہ البالغہ کا باب طبقات کتب الحدیث اس ضمن میں آتے ہیں۔ اسی طریقہ تحقیق کی مزید وضاحت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی مبسوط کتاب بستان المحدثین اور مختصر رسالے عجالہ نافعہ میں کی شاہ ولی اللہ نے اپنی تالیف قرۃ العینین میں تصریح فرمائی ہے کہ احکام و شرائع کے ماخذ بننے کے لئے احادیث صحیحہ کے موجودہ ذخیرے میں سے دس ہزار متون کارآمد ہیں۔ باقی روایاتِ مقبولہ ان متون کی توثیق اور تائید کے لئے رائج ہیں لہذا ہر مسئلے کے لئے نیا متنِ حدیث تلاش کرنے کی ضرورت نہیں نیز تحقیق احادیث کی مشق کا آغاز موطا امام مالک سے ہونا چاہیئے۔ اور اس میں جو احادیث مروی ہیں، ان کی اسناد و روایت کی تحقیق کتب صحاح خمسہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابوداود

اصولاً ترمذی میں کی جائے اس ضمن میں سب سے پہلے یہ بات پیش نظر رہے کہ ان کتب صحاح میں کسی حدیث کے جو اسنادِ روایت ہیں ان میں امام مالکؒ کے ہم عصر جو راوی ہیں، وہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں اگر نہیں ہیں تو وہ حدیث قابل قبول نہیں۔ اور اگر موجود ہیں، تو حدیث کے متن پر غور کیا جائیگا کہ یہ متن الفاظ کے اعتبار سے دیگر احادیث ثابتہ صحیحہ کے منافی تو نہیں اگر منافی ہے تو یہ حدیث متروک ہے، اگر یہ دونوں مذکورہ بالا معیاروں پر پوری اترتی ہے تو نیچے کی اسناد پر غور کیا جائیگا۔ اگر وہاں کوئی راوی ضعیف یا ناقابل اعتبار ہے اور بیرونی شہادت اور قرآئن سے تائید عملی نہیں ہوتی تب بھی یہ حدیث ناقابل عمل ہوگی۔ لیکن اگر راوی ضعیف نہیں، ثقہ اور قابل اعتبار ہے یا قرائن خارجہ روایت کی صحت کے موئید ہیں تو حدیث (متن) قابل عمل اور قابل قبول ہے۔ اور پھر قبولیت اور اعتبار کے لحاظ سے اس کے غریب حسن، مشہور، مستفیض اور متواتر کے درجے ہوں گے۔ اور یہ احکام شرعیہ کے ماخذ کا کام دے گی۔

شاہ صاحب کے نزدیک اس وقت بھی معتدبہ مشق کرنے کے بعد ائمہ محدثین کی مرویات کی تحقیق کرنے کی قابلیت پیدا کی جا سکتی ہے۔ اور علم حدیث کا ایک طالب علم اسناد کی آزادانہ تحقیق کرکے ایک حدیث کے متعلق وہی حکم لگا سکتا ہے جو کہ مثال کے طور پر امام ترمذیؒ نے ہر ایک متن اور سند پر اپنی کتاب جامع ترمذی میں لگایا ہے۔ اکثر احادیث صحیحہ موطا اور صحاح خمسہ میں موجود ہیں اور جو تھوڑی بہت باہر سے لینی پڑیں گی، وہ مسند امام احمدؒ میں مروی احادیث ثابتہ صحیحہ سے لی جا سکتی ہیں۔ مسند امام احمد میں تین قسم کی مرویات ہیں۔

ایک مرویات امام احمدؒ۔

دوسری مرویات عبداللہ ابن امام احمدؒ۔

تیسری مرویات قطیعی (شاگرد امام احمدؒ) ان میں سے مرویات امام احمد کا درجہ اعلیٰ ہے۔ اس کے علاوہ روایات کا ذخیرہ ہے، وہ علم حدیث کے صرف متبحرین کی بحث و جستجو اور مشق و مہارت کے لئے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ نہ تو اثباتِ احکام شرعیہ کے کام آسکتا ہے۔

اور یہ علم حدیث کے مبتدی طالب علموں کے لئے کارآمد ہے۔ جیسا کہ الفیہ عراقی میں صحیح حدیث
کے بیان میں امام نوویؒ کے قول کو اس مصرعے میں بیان کیا گیا ہے۔

ولم یفت الخمسۃُ الا النذر

پانچ کتابوں سے کوئی شاذونادر ہی صحیح حدیث رہ گئی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنفی مذہب کے ایک بڑے اچھے طریقے سے مجھے آگاہ فرمایا۔ اور
حنفی مذہب کے یہ طریقہ ان مشہور احادیث سے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں جمع
کی گئیں، اور ان کی اس زمانے میں جانچ پڑتال بھی ہوئی، موافق ترین ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ
امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے اقوال میں سے وہ قول لیا جائے جو مسئلہ زیر بحث میں مشہور احادیث
سے سب سے زیادہ قریب ہو۔ پھر ان فقہائے احناف کے فتاویٰ کی پیروی کی جائے جو
علمائے حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں ساتھی
جہاں تک کہ ان چیزوں کے اصول کا تعلق ہے، وہ اس معاملے میں خاموش رہے اور انہوں نے ان کے
بارے میں ممانعت کا کوئی حکم نہیں دیا، لیکن ہمیں ایسی احادیث ملتی ہیں، جن میں ان چیزوں کا ذکر ہے۔
اس حالت میں ان چیزوں کا اثبات ظاہر لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔ اعمال اور احکام میں اس روش کو
اختیار کرنا بھی مذہب حنفی میں داخل ہے۔

"فیوض الحرمین"